سوانح حیات قطب الارشاد والتکوین

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہٗ

چراغِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

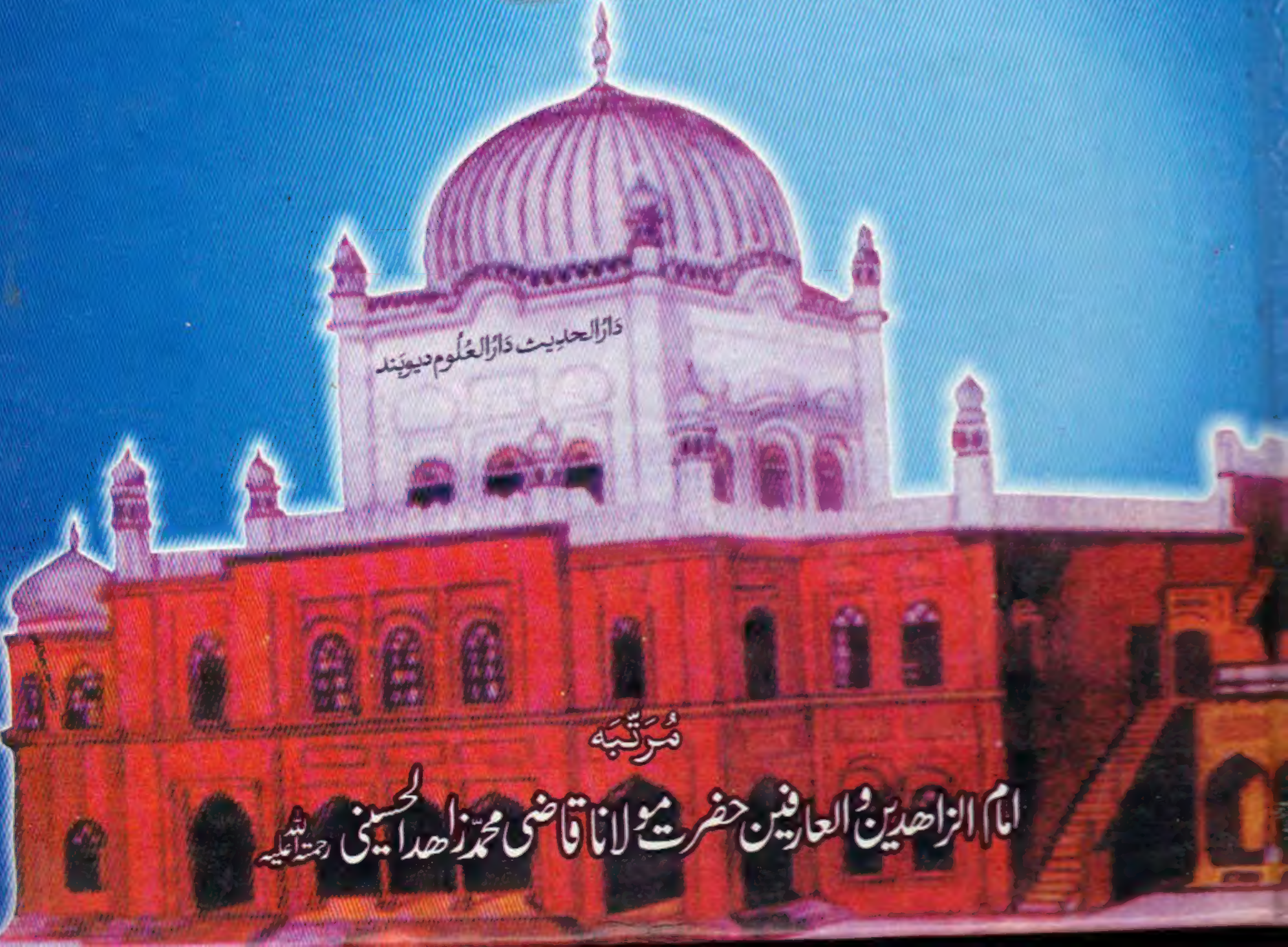

مُرتّبہ

امام الزاھدین و العارفین حضرت مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

کے اقتدار کی ساکھ پھر قائم ہوگئی ورنہ اکبر کے بعد ہی ہندوستان میں رام راج کی ندیاں بہتیں۔ اکبر سے لے کر عالمگیر تک "علمائے ہند کا شاندار ماضی" کے الفاظ میں سلاطین مغلیہ کے شہنشاہوں کے درجات ملاحظہ فرمائیے۔

"عمل اور ردِّ عمل کی ترتیب زمانہ اکبر سے لے کر عہدِ عالمگیر تک درج ذیل ہے"۔

اکبر ——— لامذہب

جہانگیر ——— مذہبیت اور لامذہبیت میں متوسط

شاہ جہان ——— مذہبیت میں پختہ چشتیت اور مجددیت میں متوسط

عالمگیر ——— مذہبیت میں پختہ اور خالص مجددی

(شاندار ماضی جلد ۱ ص ۵۲۳)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی محنت سے دینِ حق کی اشاعت اور کافرانہ تدابیر کا دفاع حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرما دیا اور وہی جذبہ اور دفاعی اوصاف دیگر علماء ہند خصوصاً علماء دیوبند میں منتقل ہو گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے دور میں جبکہ عیسائیوں نے ہندوستان پر دھوکہ کے ساتھ حملہ کیا (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) تو شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر اس جابر اور ظالم حکومت سے نجات حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا جس پر اعتقادی، قولی، عملی طور پر عمل کرنے والے علماء کرام میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، جس کی تفصیل آگے آ جائے گی۔

ہندوستان کے مذاہب اور خاص طور پر اسلام پر دوسرا حملہ وسیع اسکیم کے تحت غیر ملکی پرتگیزیوں اور انگریزوں نے حکومت کے زعم اور برطانوی، امریکی اور جرمنی مشنری سوسائٹیوں کے ذریعہ کیا تھا اور پرتگالی و پرتگیزی دور سے لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدِ حکومت تک پرتگیزیوں اور انگریزوں نے ہندوستان کے مذاہب کو نیست و نابود کرنے اور ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کے لیے انتھک کوششیں کیں جنہوں نے ۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد کے دور میں کامیابی حاصل کی، مگر روس تو یہ اقدام نہ کر سکا البتہ پرتگیزیوں اور انگریزوں نے ادھر توجہ کی جس کا مختصر سا حال درج ہے:

—— "چوتھی صدی عیسوی میں کچھ شامی خاندان کے عیسائی ہندوستان کے ساحل مالابار پر آباد ہو گئے تھے، مالابار کے راجاؤں نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور

یہاں تک اُن کو مراعات دیں کہ شامی عیسائیوں کے تمام فوجداری اور دیوانی مقدمات کا فیصلہ خود اُن کے بشپ کرتے تھے۔

اُس وقت پُرتگالیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جس علاقہ پر قبضہ کرتے اُس کے حاکم اور اس کے اہل وعیال کو اسیر کرکے عیسائی بنا کر لسبن دارالسلطنت میں بھیجدیتے تھے، چنانچہ علاقہ پرچول کے حاکم فرمان خاں اور اُس کی بیٹی کو زبردستی نصرانی بنا کر گوا کے پُرتگیزی وائسرائے واسکوڈی گاما نے لسبن روانہ کردیا تھا۔ (تاریخ ہند ذکاء اللہ)

خاص طور پر پُرتگیزیوں کے پادریوں کی عجیب حالت تھی، مذہبی جنون میں وحشی بنے ہوئے تھے، وہ کسی کے مذہب میں مداخلت کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، ہندوستانیوں کو ادائے فرض سے جابرانہ طریقوں سے روکتے تھے، مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کردیتے تھے اور اُن کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتے تھے اور مذہب کو تبدیل کرنے کے لیے زور دیتے تھے، اگر وہ مذہب کو تبدیل کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے تو اُن کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے تھے، مروانے کا طریقہ کیا ہوتا تھا وہ گوا کے سیاح وزیر نامی کے صفحات میں پڑھیئے، وہ لکھتا ہے :۔

"میں ایک دن صبح کو اُس مقام پر گیا جہاں پادریوں کا دارالقضا بنا ہوا تھا، دارالقضا کیا تھا مقتل گاہ تھا، بازار کے بیچ میں ایک بڑا بھاری انجن سُولی کی طرح کھڑا کیا تھا جس پر ایک چرچ لگا ہوا تھا، انجن پر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں، اس کو استراپیڈو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سزا پہنچانے کا طریقہ یہ تھا کہ ایک بڑا شہتیر بلندی پر لگا ہوا تھا اُس پر انسان کو کھینچ کر چڑھاتے تھے اور وہاں سے اسے گرا دیتے تھے جس کی ضرب سے اُس کی ہڈیاں چُور چُور ہو جاتی تھیں، وہیں تھوڑے فاصلے پر اوپر دار کو جزیرہ تھا جہاں پادری کے فتوے کے مطابق لوگوں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا، جس کیلئے یہ سزا تجویز ہوتی تھی اُس کو دارالقضا سے خوفناک بھتنے اور شیطان کا لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کردیتے تھے، بازار میں علاوہ سُور کے گوشت کے دوسرے گوشتوں کی ممانعت تھی جو مسلمانوں کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔"[1]

انگریزوں نے اکبر و جہانگیر کے درباروں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا تھا اور اپنے لیے آسانیاں بھی مہیا کرلی تھیں، شاہجہان کے عہد میں انھوں نے ہوگلی کی کھاڑی کی طرف جو بڑھ گئے تھے اس پر بھی قبضہ کرلیا تھا اور وہاں کی

---

[1] تاریخ بیجاپور جلد ۱ ص۲

رعایا کو زبردستی اور روپے کا لالچ دے کر عیسائی بنا کر فرنگستان بھیجنا شروع کر دیا، اگرچہ رعایا کے کم ہو جانے سے اجارہ کا روپیہ اُن کو گرہ سے بھرنا پڑتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس فعل سے باز نہیں آتے تھے۔ اُنکی یہ کاروائی دیہات تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ دریا کے کنارے پر جو آدمی بھی ملتا اُس کو پکڑ کر فرنگستان بھیج دیتے تھے۔[1] مرنے والوں کا مال ضبط کرنا، متوفی کے ہندو مسلمان بچّوں کو عیسائی بنا کر غلام بنانا، ناواقفیت اور غلطی سے داخل ہونے پر ہندو فقیر کو تکلیف دے کر مار ڈالنا اور مسلمان فقیروں کو قبر میں دفنانا اُن کا شیوہ بنا ہوا تھا۔[2]

اِس ظلم کا انسداد آخر شاہجہاں بادشاہ کو کرنا پڑا، اس نے ان لوگوں کو سخت سزائیں دیں، عالمگیر کے دور میں بھی پرتگیزیوں کا یہی ظالمانہ طور طریقہ جاری تھا۔ منشی ذکاءاللہ نے اپنی "تاریخِ ہند" میں اِس کا ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

"پرتگیزی سمندر کے کنارے نیا در ہندھگلی کے قریب رہتے تھے، مسلمانوں کیلئے ایک خدا پورہ آباد کیا تھا، نماز بلا تشویش کے کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ان کے تعلقہ میں رعایا کا کوئی آدمی مرجاتا اور اس کا کوئی نابالغ لڑکا ہوتا اور بڑا بالغ لڑکا نہ ہوتا تھا تو اُس کے بچّوں کو اپنی سلطنت کا بیت المال سمجھ کر اپنے گرجا میں لے جاتے تھے، پادری اُن کو عیسائی مذہب کی باتیں سکھاتا تھا، خواہ وہ ہندو ہوتا یا مسلمان اُس کو عیسائی بنا لیا جاتا تھا اور غلاموں کی طرح اُن سے خدمت لی جاتی تھی ۱۱۰۵ھ ۱۶۹۴ء میں کچھ مسلمان حج کو جا رہے تھے اُن کو گرفتار کیا، واپسی پر گنج سوائی عالمگیری جہاز پر قبضہ کر کے اس کو لوٹا اور جتنے مسلمان جہاز پر سوار تھے ان کو برہنہ کیا اور مستورات کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے مستورات نے سمندر کی تہہ اور خنجر کی دھار کے نذر ہونا منظور کیا۔"[3]

عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لیے پرتگیزیوں اور انگریزوں نے بڑے رکیک ہتھکنڈے استعمال کیے، اپنی لڑکیوں کو بادشاہوں کے حرم میں پہنچانے سے بھی گریز نہیں کیا جو وہ بادشاہوں کی بیویاں بنیں۔ چنانچہ اکبر بادشاہ کی بیوی مریم زمانی، عالمگیر کی بیوی مسیح النساء، شاہ عالم کی بیوی مس ہنری اور نصیر الدین حیدر شاہ کی بیوی مخدرہ عالیہ ہوئیں جو عیسائی مذہب پھیلانے کا باعث بنیں۔

مغلیہ دور میں عیسائی اپنے مذہب کی تبلیغ ہندوستان میں بڑی جانفشانی اور تندہی سے کرتے تھے لیکن اِن میں

---

[1] بادشاہ نامہ [2] تاریخ خافی خان [3] تاریخ ہند از ذکاءاللہ ہشتم ص ۱۲۱

ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا، چنانچہ ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"..... کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس معاملہ کے شوق میں اس قدر محو ہوگیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس قدر حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک اثر عظیم ہوتا تھا اتنا ہی اس زمانہ کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے کیونکہ بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث ان کے دلوں کی تاریکی سے مجھے اس قدر واقفیت ہوگئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں خصوصاً مسلمان بادشاہوں اور ان کی مسلمان رعایا سے تو کسی طرح بھی تبدیلیٔ مذہب کی اُمید نہیں، اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں اس لیے میں اپنے تجربہ کی رُو سے کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں ہی پر ہونا ممکن ہے، اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر نہایت ادب و تعظیم کے نہیں کرتے اور بلا لفظ حضرت صرف عیسیٰ کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح اس کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے لیکن یہ امید کرنا عبث ہے کہ وہ اپنا دین جس میں وہ پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کے برحق نہ ہونے کو مان لیں، مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں اور اُن کی دُعا، اُن کی طاقت اور دولت اور اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کے جلال میں بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے مگر اس خرچ کا متحمل اہلِ یورپ کو ہونا چاہیئے"[1]

یہ وہ دور تھا جبکہ مسلمان اقتصادی، اخلاقی، مذہبی، معاشی اور تنظیمی حالت میں بہت مستحکم تھا اور اس کی ایمانی قوت کا لوہا دشمن بھی مانتا تھا لیکن عالمگیر بادشاہ کے انتقال کے بعد مسلمانوں کا ہندوستان میں اقتدار ختم ہوتا چلا گیا، عوام کی اخلاقی، معاشی و تنظیمی حالت بھی گرتی اور خراب ہوتی چلی گئی، مذہب سے وہ لگاؤ نہیں رہا جو ایک مسلمان کو ہونا چاہیئے، ذہن بہت پست ہو گئے اور بے حسی اور بے بسی طاری ہو گئی۔

انگریزوں کا ۱۷۴۸ء میں مدراس پر قبضہ ہو گیا تھا، اُن کا طریقہ یہ تھا کہ جس مقام پر قبضہ کرتے وہاں برطانوی،

---

[1] سفرنامہ برنیر جلد ۲ ص ۳۲۳

امریکی اور جرمنی عیسائی مشنریوں کی ٹڈی دل فوج شہروں، قصبوں، دیہاتوں، جنگلوں، پہاڑوں، بازاروں اور محلوں میں پھیل جاتی تھی اور عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتی تھی، سکول کھولے جاتے، ہسپتال قائم ہوتے، طالب علموں اور مریضوں میں نصرانیت کی حقانیت ثابت کی جاتی اور اسلام کی تکذیب وتحقیر کی جاتی تھی اور ان کاموں میں حکمران بھی حصہ لیتے تھے۔

۱۷۵۷ء/۱۱۷۰ھ میں تعلیم کے نام پر حاکم اعلیٰ (گورنر) نے نصرانیت کا پروپیگنڈہ سکولوں میں شروع کر دیا تھا، اس زمانہ میں کلکتہ کے اندر لوٹ مار ہوئی تو میر جعفر سے جرمانہ وصول کیا گیا، اس جرمانہ سے کلکتہ میں فری سکول قائم کیا گیا، اس کے مہتمم گورنر مقرر ہوئے۔ لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست اس سکول میں تھا۔ اس مدرسہ کی تعلیم کی غرض یہ تھی کہ اس میں ہر قوم کا وہ بچہ جس کی عمر پانچ سال سے دس سال تک ہوتی داخل ہو سکتا تھا اور ہر طالب علم کے لیے یہ لازم قرار دیا گیا تھا کہ وہ عیسوی دعاؤں میں شامل ہو اور بائیبل کی تعلیم ضرور حاصل کرے۔

اس مدرسہ کے علاوہ اس زمانہ میں جو بھی مدرسہ قائم ہوا اس میں نصرانیت کی تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا، چنانچہ بشپ کالج کلکتہ ۱۸۱۹ء/۱۲۳۴ھ میں قائم ہوا اس کے ہر طالب علم کو یہ قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کے کاموں میں حصہ لے گا۔

مشن سکولوں میں لڑکوں کو انجیل پڑھا کر ان سے سوال کیا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے اور نجات دلانے والا کون ہے؟ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دینے والوں کو انعام دیا جاتا تھا، مشن کے سینکڑوں سکولوں میں داخل ہونے کے لیے حکام ضلع ترغیب دیتے تھے اور سکولوں میں جا کر دیکھتے تھے کہ کون کون شامل ہوا، اگر لوگ بچوں کو شامل نہیں کرتے تھے تو مجبور کیا جاتا تھا اور حکماً داخل ہونا پڑتا تھا[۱]۔

انگریزی تعلیم دینے کی غرض ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا تھی، چنانچہ آنریبل مسٹر چارلس گرانٹ ڈائریکٹر کمپنی جو ہندوستان میں انگریزی زبان جاری کرنے کے حامی تھے وہ اس کی غایت یہ بیان کرتے ہیں[۲]:-

...... یہ بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں اسی کے ذریعہ ہمارے فنون، فلسفہ، مذہب کی تعلیم دے، مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوؤں کو ہماری زبان کے ذریعہ ملے گی وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہوں گی، مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں ہندوستان کے کیرکٹر میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کو اپنے حال

---

[۱] اسباب بغاوت ہند [۲] مسلمانوں کا روشن مستقبل

پر چھوڑ دیا ... لیکن ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (عیسوی مذہب) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم وفنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔"

سابقہ ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو عیسائی ہوتا تھا اس کو شاستر کے مطابق ہندو محروم الارث کردیتے تھے جس سے پادریوں کو آسانی کے ساتھ ہندوؤں کو عیسائی بنانے میں دقّت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، چنانچہ لارڈ ڈلہوزی نے اس پریشانی کا سدِ باب کرنے کے لیے ایک ایکٹ ۱۸۵۰ء ۱۲۶۶ھ میں نافذ کیا کہ اگر کوئی ہندو عیسائی ہوجائے تو وہ اپنے حقوق اور وراثت سے محروم نہ ہوسکے گا۔

انگریزی حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مخصوص مذہبی نشانوں کو مٹانے کی بھی کوشش کی اور ۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ میں پہلی بار مقام ویلور مدراس میں سرجان کرا اور ایک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں تین باتوں کا اضافہ کیا اور حکم دیا کہ ہندوستانی فوجی ماتھے پر تلک نہ لگائیں، داڑھیاں منڈائیں اور اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیوں کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں۔

اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حکامِ شہر اور افسرانِ فوج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے، اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے مذہب کی تلقین کراتے تھے، اور چھوٹی نوکریوں کے لیے یہ ضروری قرار دے دیا گیا تھا کہ سرٹیفکیٹ پر ڈپٹی انسپکٹروں کے دستخط ہونے ضروری ہیں، یہ ڈپٹی انسپکٹر زیادہ تر مشنری ہوتے تھے جن کو ہندوستانی لوگ کالا پادری کہتے تھے، اگر سرٹیفکیٹ پر ان ڈپٹی انسپکٹروں کے دستخط نہیں ہوتے تھے تو نوکری نہیں ملتی تھی۔

یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور ان کے علاوہ کتابیں، پمفلٹ اور اخبارات بھی شائع ہوتے تھے اور ان میں جنابِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر حسب ذیل الزامات عیسائی مشنری علی الاعلان لگاتے تھے:۔

(۱) قرآنِ مجید اصلی نہیں ہے اس میں تحریف وتبدیلی ہوئی ہے۔

(۲) قرآنِ مجید میں کوئی نئی چیز نہیں ہے توریت وزبور سے سرقہ کی گئی ہے اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ یہودیوں کی (نعوذ باللہ) خرافات ہے۔

(۳) نبی کی نبوت کے لیے معجزے ضروری ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزے کا ظہور نہیں ہوا اس بناء پر وہ (نعوذ باللہ) نبی نہیں تھے۔

(۴) کتابِ مقدس کے مطالب قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، اس لیے قرآن کتابِ الٰہی نہیں ہے۔

(۵) اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔

(۶) اسلام جہاد (بزورِ شمشیر) کے ذریعہ پھیلا ہے۔

(۷) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہیں آتی تھی بلکہ وہ صرع کی بیماری تھی جس میں (نعوذ باللہ) وہ مُبتلا تھے۔

(۸) حضور اقدس کی ذاتِ اقدس پر شرمناک و نازیبا الزامات و حملے۔

(۹) ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی ذات پر ناپاک الزامات۔

عیسائی مشنری سرِ بازار علی الاعلان چیلنج کرتے پھرتے کہ ان الزامات کا جواب دو، جواب دینا تو کجا مسلمان اِن ناقابلِ برداشت الزامات کو سنتا تھا اور خاموش ہو جاتا تھا، پہلے رسول اللہ کی عزت و آبرو کی خاطر اپنی جان و مال اور آل اولاد کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اس وقت اُس کو اپنی جان زیادہ پیاری تھی اِس لیے عیسائی مشنری اُن پر حاوی ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے خاندان کے خاندان عیسائی بننے پر آمادہ ہونے لگے تھے چنانچہ عمادالدین پانی پتی مع اپنی اولاد کے عیسائی ہو گیا اور ان کے باپ چراغ الدین اور ان کے بھائی خیرالدین نے بھی عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا اور صفدر علی، رجب علی بھی اسلام کو خیرباد کہہ کر عیسائی بن گئے تھے۔ برنیر نے کہا تھا: "یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے"۔ لیکن یہاں اس کے برعکس عمل ہو رہا تھا۔

مگر اس پُرآشوب زمانہ میں اللہ کے نیک بندے اور شمعِ توحید کے پروانے بھی تھے، مولانا آلِ حسن صاحبؒ نے انہی حالات میں ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۴ء رَدِّ نصاریٰ میں ایک کتاب "استفسار" شائع کی جس میں پادری فانڈر کی کتاب "میزان الحق" کے اعتراضات کے جوابات بھی تھے۔

اس کے بعد مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے کتب رَدِّ نصاریٰ لکھیں لیکن انہوں نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ آگرہ میں پادری فانڈر کی کوٹھی پر اسلام کی حقانیت ثابت کرنے اور عیسائیت کی تکذیب کرنے کے لیے پہنچے اور اس کو مناظرہ کی دعوت دینے گئے، وہ نہیں ملا تو خط و کتابت سے مناظرہ طے کیا، چنانچہ اپریل ۱۸۵۴ء / ۱۲۷۰ھ میں دو روزہ تاریخی مناظرہ آگرہ میں پادری فانڈر سے ہوا، جس میں پادری فانڈر کو ماننا پڑا کہ انجیل مقدس میں تحریف ہوئی ہے، اس مناظرہ میں مولانا رحمت اللہ صاحبؒ کے شریک ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحبؒ تھے[۱]

---

[۱] ہندوستان میں اسلام کو ختم کرنے کے لیے جو دوسرا حملہ عیسائی مشنریوں کی طرف سے ہوا اس کا خاتمہ مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اور ان کے حامیوں نے کس طرح کیا؟ اس کی پوری کیفیت مولانا صابری کی تالیف "فرنگیوں کا جال" پڑھئے۔

اس تاریخی مناظرہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی ہر قوم میں بیداری پیدا ہوئی حالات نے کروٹ لی اور یہ مناظرہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء؁ ۱۲۷۳ھ؁ کی ابتداء کا باعث بنا اور مولانا رحمت اللہ صاحبؒ بھی اس جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء؁ کے ہیرو بنے اور انہوں نے ایک راہنما کے طور پر اس میں حصہ لیا اور اسی کے ساتھ انہوں نے جبکہ مرکزِ اسلام مکہ معظمہ میں علم کی شمع بجھنے لگی مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی جس کا آج سعودی عرب کی مشہور درسگاہوں میں شمار ہوتا ہے اور فضیلت کا درجہ اسی کو حاصل ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا رحمت اللہ صاحب اور ان کے پیروکاروں مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمد علی مونگیری، مولانا اشرف الحق صاحب مولانا ابوالمنصور صاحب، مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کی جدوجہد اور ان کی قلم و زبان نے عیسائی مشنریوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور ہندوستان کے مسلمانوں پر جو دوسرا حملہ عیسائی مشنریوں کی طرف سے کیا گیا تھا وہ بھی ناکام بنا دیا گیا۔ مولانا رحمت اللہ صاحب اور اُن کے حامیوں نے کتابوں کا جواب کتابوں سے، اخبارات کا جواب اخبارات سے، مشنری سوسائٹیوں کا جواب تبلیغی جماعتوں سے دیا اور مناظروں میں مقابلے کر کے دندان شکن جوابات دے کر اُن کے غرور و تمکنت اور مکر و فریب کی قلعی کھولی۔

گارساں دتاسی جو اپنے خطبوں میں مشنریوں کی کوششوں کو بڑا سراہتا تھا اور ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتا تھا وہ مولانا رحمت اللہ صاحبؒ اور اُن کے تبلیغی اثرات کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا چنانچہ اپنے ایک خطبہ میں لکھتا ہے:-

> "یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ہندو لوگ کیوں زمرۂ اسلام میں شامل ہو رہے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض عیسائی نامعلوم کیوں اسلام قبول کر رہے ہیں اُردو کے اخبار "چشمۂ علم" میں ان یورپینوں کے اسلام قبول کرنے کے حالات بیان کیے گئے ہیں یہ لوگ مدراس کی ایک مسجد میں جمع ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی، ایک سوئٹزرلینڈ کے باشندے نے کمال کیا نہ صرف یہ کہ اُس نے اسلام قبول کیا بلکہ اب مشرقی لباس زیب تن کیے ہوئے بندیل کھنڈ میں تبلیغ کرتا پھر رہا ہے، مجمعوں میں تقریریں کر رہا ہے اور قرآنِ مجید کے مطالب اردو میں بیان کر رہا ہے"[1]

---

[1] خطبات گارساں دتاسی ۲۰، دسمبر ۱۸۶۹ء؁ صفحہ ۸۱۰

آخر میں دتاسی کو مولانا رحمت اللہ صاحب اور ان کے حامیوں کی مخلصانہ کوششوں کی کامیابی اور مشنریوں کی جدوجہد کی ناکامی کا اعتراف صاف لفظوں میں کرنا پڑا، وہ تحریر کرتا ہے[1]۔

"ہندوستان میں اُن مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے دینِ مسیحی قبول کیا ہو[2]"۔

ہندوستان جنت نشان پر انگریزوں کے قبضہ کی مختصر داستان

پہلے گذر چکا ہے کہ پرتگیزیوں نے ہندوستان کو دینی، اخلاقی اور اقتصادی طور پر کس قدر تباہ کیا، یہ مظالم بیشک بے نظیر تھے مگر انگریز نے جس طرح ہندوستان کو سونے کی چڑیا سمجھ کر دھوکہ اور بے وفائی بلکہ غداری سے اس پر قبضہ کیا اُس کی مختصر سی داستانِ درد انگیز حضرت مدنی کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے:۔

"سب سے پہلے ایک مشہور پرتگیز کپتان واسکوڈے گاماں چند جہاز لے کر ۱۴۹۸ء / ۹۰۴ھ میں ہند کے مغربی شہر کالی کٹ میں وارد ہوا پھر تجارتی مال کے تبادلے کی شکل میں ۱۶۰۰ء / ۱۰۰۸ھ تک تجارت ان کے ہاتھ میں رہی، مگر ساتھ ہی گوا کے مقام پر ایک مضبوط قلعہ بھی بنا لیا، جب انگریزوں نے ہندوستان کی منڈی کا یہ حال سُنا تو چند تاجروں نے مل کر اس وقت کی حکمران ملکہ الزبتھ سے تجارتی پروانہ حاصل کیا اور کچھ تاجر بحری راستہ سے جہانگیر کے زمانہ میں ۱۶۱۲ء / ۱۰۲۰ھ کو سورت شہر پہنچے اور کاروبار شروع کر دیا، اس کے بعد جلد ہی ۱۶۱۶ء / ۱۰۲۴ھ میں مشرقی ساحل کے مقام سولی پٹم میں کارخانہ کھولا، اور ساتھ ہی ایک قلعہ بھی تعمیر کیا، ۱۶۳۴ء / ۱۰۴۳ھ میں شاہجہاں سے اجازت لے کر ۱۶۴۰ء / ۱۰۴۹ھ میں ہُگلی میں ایک کارخانہ قائم کر لیا جو بعد میں کلکتہ کو منتقل ہو گیا، اس طرح ہندوستان کی تینوں بندرگاہیں کلکتہ، بمبئی، مدراس ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آگئیں ــــ کمپنی کا یہ پہلا دور ۱۷۵۷ء / ۱۱۷۰ھ تک تجارتی دور کہلاتا ہے اس دور میں یہاں سے وہ دولت اکٹھی کی جو اُن کے خواب و خیال میں بھی

---

[1] خطبات گارسان دتاسی، خطبہ ۷، دسمبر ۱۸۶۳ء ص ۴۰۳ [2] گارسان دتاسی کٹر قسم کا عیسائی تھا، ہندوستان کے مشنریوں کے کارناموں کو فاتحانہ انداز میں لکھتا تھا اور اس کی بڑی خواہش تھی کہ ہندوستان میں عیسائی مذہب پھیلے، اُس کی قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔

نہ تھی، اور ساتھ ہی اخلاقی اور دینی طور پر مسلمانوں میں ایسے اعمال اور اخلاق پیدا کر دیئے جو اُن کے ہاں بھی قابلِ نفرت تھے ــــ ایسٹ انڈیا کمپنی کا دُوسرا دور یہ تھا کہ اب ہندوستان کو طاقت کے زور سے قابو کیا جائے، یہ دور ۱۷۵۷ء / ۱۱۷۰ھ سے لے کر ۱۸۳۲ء / ۱۲۴۷ھ تک رہا ہے جس میں مظالم کی تفصیلات بڑی دردناک ہیں۔ اسی دور میں انگریزوں نے میر جعفر جیسے نمک حرام کو خرید لیا، پلاسی کے میدان میں انگریزوں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی، اس جنگ میں کامیابی کے بعد انگریزوں نے قدم بڑھانے شروع کر دیئے اور اب حکمران بن گئے۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا تیسرا دور شروع ہوا جو کہ ۱۸۳۳ء / ۱۲۴۸ھ تک رہا، اور اس کی حقیقت مدراس کے بورڈ آف ریونیو کے صدر سر جان سلیوَر کے الفاظ میں یہ تھی:۔

"ہمارا طرزِ حکومت اسپنج سے بہت مشابہت رکھتا ہے، وہ گنگا کے ڈھانے سے تمام نعمتیں چوس لیتا ہے اور ٹیمز (انگلستان کے دریا) کے کنارے نچوڑ دیتا ہے۔"

جس کے نتیجہ میں صرف ۹ سال میں ایک کروڑ نوّے لاکھ افراد قحط سے ہلاک ہوئے" ــــــــ

چنانچہ ہندوستانیوں نے خصوصاً مسلمانوں نے اس ظالم اور خونخوار حکومت سے جان چھڑانے کے لیے پوری صدی مقابلہ کیا جس کا خلاصہ حضرت مدنیؒ کے الفاظ میں درج ہے:۔

"۱۷۵۷ء / ۱۱۷۰ھ یعنی جنگِ پلاسی سے لے کر ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۳ھ تک ایک صدی کا زمانہ داخلی ہندوستان میں تمام لڑائیوں اور جنگ سے بھرا ہوا ہے جن میں عموماً ہندوستانی زیادہ تر ہلاک ہوتے رہے اور ہندوستانی سرمایہ ہی لوٹا جاتا رہا۔ اسی صدی میں نواب سراج الدولہ والی مرشد آباد بنگال کی لڑائی، میر قاسم نواب اودھ وغیرہ کی پٹنہ اور بکسر کی لڑائی، روہیل کھنڈ کی طویل و عریض، کرناٹک اور دکن کی لڑائیاں، سلطان ٹیپو مرحوم کی لڑائیاں، مرہٹوں سے لڑائیاں، نیپال اور بھوٹان کی لڑائیاں، پنجاب اور اودھ اور سندھ، بمبئی کی لڑائیاں ہیں جن میں بےشمار جانیں ضائع ہوئیں اور آخر ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۳ھ کی انقلابی لڑائی ہوئی جس سے تمام ہندوستان انتہائی بربادی کے گھاٹ پر اُتار دیا گیا تھا۔"[1]

---

[1] نقشِ حیات، جلد ۱، ص ۲۰۶ تا ۲۵۱

جنگ آزادی میں مجاہدین اُمراء کی قربانی اور علماء کرام کا قائدانہ کردار

انگریزوں نے چونکہ سلطنت مسلمان خانوادوں سے غصب کی تھی اسلئے وہ جانتے تھے کہ جب تک وہ مسلمانوں کو پورے طور پر نہ دبائیں گے اُن کی حکومت مضبوط اور مُستحکم نہ ہوسکے گی، چنانچہ اس تمام عرصے میں انہوں نے مسلمانوں کو سیاسی اور عسکری محاذوں پر پے در پے شکستیں دیں بلکہ تمدنی اور تہذیبی میدانوں میں انہیں ایسا رگیدا کہ وہ مکمل طور پر مسلمانوں کی کمتری اور انگریزوں کی برتری کے قائل ہوتے چلے گئے۔

اورنگزیب کی وفات سے لے کر ۱۸۵۷ء / ۱۲۷۳ھ کی ڈیڑھ صدی کے دوران قدرت نے مسلمانوں کو سنبھلنے اور ازسرِ نو قدم جمانے کے لیے کم از کم تین بڑے مواقع عطا کیے، ان میں سے پہلا موقع ۱۷۶۱ء / ۱۱۷۴ھ میں آیا جب احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں ۶ لاکھ مرہٹہ فوج کو ذلّت آمیز شکست دے کر ہندوؤں کی اُبھرتی ہوئی قوت کو پاش پاش کر دیا۔ اس عظیم اور فیصلہ کن تاریخی جنگ کے بعد احمد شاہ ابدالی واپس افغانستان چلا گیا، جس سے مسلمان اس عظیم الشان فتح سے کسی طرح کے فائدے کی بجائے نقصان میں رہے کیونکہ ہندو سامراج کی شکست سے سفید سامراج کے راستے سے ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہوگئی۔ دوسرا موقع دکن میں سلطان حیدر علی اور سلطان فتح علی ٹیپو کے عروج کی صورت میں نمودار ہوا، اگر ہندوستان کے کچھ مسلمان حکمران ہی ان دونوں باپ بیٹے کے مددگار بنتے تو برطانوی سامراج کے بڑھتے پھیلتے ہوئے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چنداں مشکل نہ تھا مگر کئی مسلمان نوابوں نے ان دونوں مجاہدوں کی حمایت کے بجائے ان کے خلاف انگریزوں کو مدد دی۔ سلطان ٹیپو جب ہندوستانی حکمرانوں سے مایوس ہوا تو اس نے مدد کیلئے اپنے سفیر افغانستان، ایران، ترکی اور نپولین کے پاس بھیجے، نپولین نے جلد از جلد ہندوستان پہنچنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن وہ عراق سے آگے نہ آسکا، ایران کی طرف سے کوئی جواب ہی نہ آیا اور ترکی کے سلطان نے ٹیپو سلطان کو انگریزوں کے ساتھ صلح صفائی اختیار کرنے کا مشورہ دیا، ایک زمان شاہ والئ کابل پہنچا لیکن انگریزوں کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے اس کے اپنے بھائی محمود شاہ نے ایران سے افغانستان پر حملہ کر دیا اور اسی طرح ملک کے دوسرے حصّوں میں بھی علماء نے جنگِ آزادی میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔[۱]

---

[۱] محمد علی جناح سیرت و کردار از پروفیسر کرم حیدری ص ۱۶

بالآخر ہندوستان سے اسلامی حکومت کے آخری چراغ کو گُل کرنے کے لیے بہادر شاہ ظفر کو ۱۰ر جنوری ۱۸۵۸ء کو مجرم بنا کر رنگون بھیج دیا اور یہ ظالم خود تخت و طاؤس کے مالک بن بیٹھے —— بہادر شاہ ظفر رحمۃ اللہ علیہ کی جلاوطنی اور حسرتناک موت کا مختصر سا حال عنقریب آرہا ہے۔

حضرت مدنیؒ کی مجدّدانہ حیثیّت

کسی شخصیت یا جماعت کی حیثیت اور اس کا مقام معلوم کرنے کے لیے اُس ماحول کا سمجھنا ضروری ہے جس ماحول میں اُس نے اپنی خدمات کا مظاہرہ کیا ہو، جیسا کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو اُمت نے "مجدّد الف ثانی" کا خطاب اس لیے دیا ہے کہ آپ نے برصغیر میں اسلام پر حملہ اور "دینِ اکبری" کے خلاف جہاد کیا اور ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں مگر آخر مظفر و منصور ہوئے۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے جن حالات کا بے نظیر مقابلہ کیا وہ صرف آپ ہی کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ انگریز جیسی جابر، ظالم، غاصب قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے والے اور اُن کو ملک سے بدر کرنے والے علماءِ کرام اور دُوسرے محبانِ وطن، ہمدردانِ قوم کافی صاحبِ عزیمت تھے مگر جس مجاہدِ جلیل نے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان کی شہادت پر انگریز کے اس متکبرانہ نعرہ (آج ہندوستان ہمارا ہے[۱]) کا ۱۹۲۲ء میں پابندِ سلاسل ہوتے ہوئے یہ جواب دیا تھا ؎

پڑا فلک کو ابھی دل جلوں سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

وہ جلانے والا صرف چراغ محمد حسین احمد مدنیؒ ہی تھا، اسی مضمون کو مفصّل طور پر سمجھنے کیلئے انگریز کی مکّارانہ، غدّارانہ سرگذشت کا مجمل ذکر کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اس بات کو سمجھ جائیں کہ اسلام اور مسلمانوں کا دینی، دنیاوی، اخلاقی، اقتصادی دشمن عیسائی تھا اور اب بھی وہی ہے اور عیسائی ہی ہی یہودیوں اور دوسرے دشمنانِ اسلام کی پشت پناہی کر رہا ہے، آج اگر عیسائی ان کی امداد نہ کریں تو یہ ختم ہو سکتے ہیں۔ (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل)

---

[۱] علماءِ ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ص۷۵

آخری مغلیہ فرمانروا بہادر شاہ ظفر کی

ہندوستانیوں کے نام اپیل

ہم وطنوں سے اتحاد کی ضرورت

ہندوستان جنت نشان میں تمام لوگ بلا لحاظِ دین و مذہب آرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ عیسائی درندوں نے غداری کیساتھ اُن کے وطن پر قبضہ کر لیا اور اُن کی جان، مال، عزت ہر چیز کو شیرِ مادر سمجھ کر پینے لگے۔ مسلمان فرمانرواؤں کی بے خبری، ناجائز رواداری، باہم اختلاف نے میدان صاف رکھا، جب اُن کو احساس ہوا تو وطن کی حفاظت کیلئے کمربستہ ہوئے اگرچہ وقت گذر چکا تھا مگر پھر بھی احساس ہوا، تو سب سے پہلے آخری مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر نے ایک اپیل بطور شاہی فرمان کے تمام ہندوستانیوں کے نام جاری کیا جس کا ایک حصّہ درج ذیل ہے:۔

"..... اب اگر انگریز ملک ہندوستان میں رہیں گے تو کل اس ملک کے آدمیوں کو مار ڈالیں گے اور ہمارے مذہبوں کو مٹا دیں گے، ہر چند کہ بعض آدمی ہمارے ملک کے اب بھی انگریزوں سے موافقت رکھتے ہیں بلکہ اُن کی طرف سے لڑتے بھڑتے ہیں، ان کے حال پر بخوبی غور کیا گیا تو یہ ظاہر ہوا ہے کہ انگریز نہ ان کا مذہب چھوڑیں گے اور نہ تم سب کا، بس اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے ایمان اور جان کی سلامتی کے واسطے کیا تدبیر کی ہے، اگر ہماری اور تم سب کی رائے متفق ہو تو بہت آسانی سے انگریزوں کو غارت کر کے اپنے ملک اور ایمان کو بچا سکتے ہیں، چونکہ ہم سب کو ہندو اور مسلمانوں کی بہتری پیشِ نظر ہے اور انگریز دونوں فرقوں کا دشمن ہے لہٰذا تمہارے مذہب کی حمایت کا پاس اور خیال کر کے اور بہ نظر اندفاعِ اَعداءِ دین بذریعہ اس فرمانِ مطبوعہ کے اعلان کیا جاتا ہے کہ اہلِ ہنود کو گنگا جی تلسی اور سالگرام کی قسم ہے اور مسلمانوں کو قرآن شریف کی قسم ہے کہ وہ بالاتفاق شامل ہو کر اپنی جان اور ایمان کی حفاظت کے واسطے انگریزوں کو یہاں سے نکال دیں" (مُہر بہادر شاہ)

(کتاب باغی علماء صفحہ ۱۲۶ بحوالہ واقعاتِ دارالحکومت حصہ دوم صفحہ ۱۷۹)